© rasailojaraid.com

ضیاء الدین لاہوری

سرسیّد اور تعلیمِ نسواں

> کسی قسم کی تنقید کے بغیر تعلیم نسواں کے موضوع پر سرسید کے افکار سے متعلق مضمون جسے ان کے بعض شیدائی صحافیوں نے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ شاید اس لئے کہ اس سے ان کے "محسنِ اعظم" کی شخصیت کا وہ پہلو اجاگر ہوتا ہے جو "روشن خیالی" کے ان دعوے داروں کو ذاتی طور پر پسند نہیں۔ ممکن ہے کہ اس سے ان کے "ترقیانہ" نظریے پر ضرب پڑتی ہو۔ لہٰذا وہ اسے عوام کی نظروں سے اوجھل ہی رکھنا چاہتے ہوں۔
> زمانے کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جو لوگ لڑکیوں کے سکول بنانے کی تجویز کے سب سے بڑے مخالف تھے ان کے بعد اُن ہی کے نام پر گرلز کالج تک قائم ہو گئے۔
> (ضیاء الدین)

ابو الاثر حفیظ جالندھری نے کتاب "حقوقِ نسواں" کے مؤلف شمس العلماء سید ممتاز علی اور سرسید کے مابین علمی روابط کا ذکر کرتے ہوئے اس تصنیف کے بارے میں ایک دلچسپ قصہ بیان کیا ہے۔

"سرسید کی یہ بات مشہور ہے کہ انہوں نے تعلیم نسواں کے لیے کچھ نہیں کیا اور نہ کرنا چاہتے تھے۔ صرف یہی نہیں کہ کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اگر کوئی کچھ کرنا چاہتا تو مانع ہوتے اس لئے مولوی صاحب کو یہ خوف تھا کہ شاید سید صاحب اس کتاب کو ناپسند کریں گے پھر بھی وہ ان کی خوشی کے بغیر شائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آخر آپ اس کتاب کو سرسید کی خدمت میں اس غرض سے لے گئے کہ وہ اس پر دیباچہ لکھ دیں۔ مولانا شبلی نے اس کتاب کو پڑھ کر کہا کہ سرسید کے پاس یہ کتاب نہ لے جایئے۔ وہ اسے ناپسند کریں گے۔ مگر سید ممتاز علی نے مولانا ممدوح کے اس مشورے کا کچھ خیال نہ کر کے سرسید کی خدمت میں وہ کتاب پیش کر دی۔ مولوی صاحب نے خود ہم سے بیان کیا کہ "جس وقت میں نے یہ کتاب سرسید کو دکھائی تو ہم دونوں کے سوا کمرے میں کوئی تیسرا نہ تھا۔ اندازاً گیارہ بجے کا وقت تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے دفتر کو چلے گئے تھے۔ میں نے قصداً یہ وقت اس لئے پسند کیا تھا کہ اگر سرسید صاحب ممدوح غصے بھی ہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو کسی دوسرے آدمی کی موجودگی میں تو نہ ہوں۔ سرسید نے اس کتاب کو کھول کر کہیں سے پڑھا اور چیں بجبیں ہوئے۔ پھر کسی دوسری جگہ سے کھول کر پڑھا تو چہرہ سرخ ہوگیا اور جب آپ نے اس کا کوئی تیسرا مقام پڑھا تو آپ کے ہاتھ کانپنے لگے آخر ضبط نہ کرسکے۔ آپ نے کتاب کو بند کرکے لمبائی میں پھاڑ کر اس کتاب کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ اور پھر ایک ٹکڑے کو دوسرے پر رکھ کر پھر دو ٹکڑے کر ڈالے۔ اور چاروں ٹکڑوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ اور آپ نہایت غضب آلود نگاہیں دیوار پر جمائے ایک آدھ منٹ بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ میں بھی بالکل بے حس و حرکت بیٹھا تھا اور ڈر رہا تھا کہ میری کوئی حرکت ان کی توجہ کو ادھر مائل نہ کردے۔ خدا کا شکر ہے کہ خانساماں آگیا اور اطلاع دی کہ میز پر کھانا حاضر ہے۔ سرسید تو اٹھ کر غسل خانے کی طرف چلے گئے اور میں ردّی کی ٹوکری میں سے "حقوق نسواں" کے پھٹے ہوئے پرزے اٹھا کر اپنے کمرے میں چلا آیا اور بوجہ رنج کھانے میں بھی شریک نہ ہوا"۔ [۱]

سید ممتاز علی نے اس کتاب کو سرسید کی ناراضگی کے خوف سے ان کی وفات کے بعد شائع کیا لیکن اس سے پہلے جب انہوں نے ہندوستان کا سب سے پہلا زنانہ ہفتہ وار اخبار جاری کرنے کا ارادہ کیا تو ان کی اہلیہ نے انہیں اس بارے میں سرسید سے مشورہ لینے کو کہا۔ سید ممتاز علی بیان کرتے ہیں۔

مجھے ان کی یہ رائے پسند نہ آئی۔ مجھے یقین تھا کہ اگر میں ایسا کروں گا تو سرسید مجھے اخبار جاری کرنے نہ دیں گے۔ اور پھر اس حالت میں ان کی بزرگانہ نصیحت کے خلاف کام کرنا سخت گستاخی اور بے ادبی کی بات ہوگی پس اخبار کے جاری کرنے کا تو امر مسلّمہ ٹھہرا کر سرسید سے صرف نام تجویز کرا لینا مناسب جانا ـــــ چنانچہ میں نے ان کی خدمت میں خط لکھا اور جو چند نام تجویز کئے تھے وہ سب لکھ بھیجے۔ اور پوچھا کہ آپ کو ان سب میں سے کونسا پسند ہے؟" سید صاحب مرحوم نے اس کے جواب میں میرے نام جو خط لکھا، افسوس وہ خط اب میرے پاس نہیں رہا، مگر مضمون اس کا یہ تھا:۔

مشفقی و محبی مولوی سید ممتاز علی۔ تسلیم۔ عنایت نامہ ملا۔ اگرچہ آپ نے اس باب میں مجھ سے مشورہ نہیں لیا کہ آیا اخبار جاری کرنا مناسب ہے یا نہیں بلکہ صرف اس کے نام کی

---

[۱] ہفت روزہ تہذیب نسواں لاہور ۶ جولائی ۱۹۳۵ء ص ۶۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بابت دریافت کیا ہے لیکن چاہے آپ میرا مشورہ پسند نہ کریں مگر میں یہی کہوں گا کہ آپ عورتوں کے لئے اخبار جاری نہ کریں۔ آپ یقین کریں کہ آپ اسے جاری کرکے پچھتائیں گے اور تکلیف نقصان اور سخت بدنامی کے بعد بند کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر آپ ان سب باتوں کے سمجھ لینے کے بعد جاری کریں تو جو نام آپ نے لکھ کر مجھے بھیجے ہیں ان میں سے کوئی بھی مجھے پسند نہیں آیا۔ میری رائے میں اگر کوئی اخبار مستورات کے لئے جاری ہی کیا جائے تو اس کا نام "تہذیب نسواں ہونا چاہیئے"۔[۱]

سید ممتاز علی نے سرسید کا اخبار جاری نہ کرنے کا مشورہ تو قبول نہ کیا البتہ اس کا نام سرسید کی تجویز کے مطابق "تہذیب نسواں" رکھا۔ یہ اخبار اس قدر مقبول ہوا کہ سید ممتاز علی کی وفات کے بعد بھی ایک طویل مدت تک کامیابی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔

مسلم گرلز کالج علی گڑھ کے بانی خان بہادر ڈاکٹر شیخ عبداللہ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"۱۸۹۶ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسے میں جو علی گڑھ میں منعقد ہوا تھا مولوی جسٹس کرامت حسین مرحوم اور نواب محسن الملک مرحوم کی تجویز اور کوشش سے ایک شعبہ تعلیم نسواں قائم ہوا تھا۔ مولوی ممتاز علی صاحب مرحوم سب سے اول اس شعبے کے آنریری سکریٹری مقرر ہوئے تھے۔ تعلیم نسواں کے سلسلے میں سرسید کی رائے ہمیشہ مولوی ممتاز علی صاحب کی رائے کے مخالف رہی۔ شعبہ تعلیم نسواں بھی سرسید کی رائے کے خلاف قائم ہوا تھا۔ سرسید عورتوں کی تعلیم کے معاملے میں بہت ہی پرانے خیال کے بزرگ تھے"۔[۲]

اس بارے میں خود سرسید کے اپنے خیالات ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے بیان کئے۔

"باوجودیکہ بہت سی باتوں میں میری طرف نئے خیالات منسوب ہوتے ہیں۔ لیکن عورات کی تعلیم کی نسبت میرے وہی خیالات ہیں جو ہمارے قدیم بزرگوں کے تھے"۔[۳]

ایک مرتبہ خواتین پنجاب کے نام خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

"میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پرواہ نہیں ہوں۔ میں دل سے ان کی ترقی تعلیم کا خواہاں ہوں۔ مجھ کو جہاں تک مخالفت ہے اس طریقہ تعلیم سے ہے جس کے اختیار کرنے پر

---

[۱] ہفت روزہ تہذیب نسواں لاہور ۱۹۱۶ء
[۲] ایضاً صہ ۶۲۴ [۳] مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز سرسید مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور ۱۹۰۰ء صہ ۳۸۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس زمانہ کے کوتاہ اندیش مائل ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقہ تعلیم اختیار کرنے پر کوشش کرو۔ وہی طریقہ تمہارے لئے دین و دنیا میں بھلائی کا پھل دے گا اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا۔"[1]

...... "سچی تعلیم نہایت عمدگی سے ان کتابوں سے حاصل ہوتی ہے جو تمہاری دادیاں نانیاں پڑھتی تھیں جیسی وہ اس زمانہ میں مفید تھیں۔ ویسی ہی اس زمانہ میں بھی مفید ہیں۔"[2]

"... میری یہ خواہش نہیں ہے کہ تم ان مقدس کتابوں کے بدلے، جو تمہاری دادیاں اور نانیاں پڑھتی آئی ہیں اس زمانہ کی مروّجہ نامبارک کتابوں کا پڑھنا اختیار کرو جو اس زمانہ میں پھیلتی جاتی ہیں۔"[3]

مسلمان خواتین کی قدیم اور مجوزّہ جدید تعلیم کا موازنہ کرتے ہوئے سرسید ان بزرگ عورتوں کے پرانے طریقے تعلیم کی تفصیلات یوں بیان کرتے ہیں :-

" عورتوں کو جس قسم کے علوم پڑھائے جانے کا خیال پیدا ہوا ہے اُس کو بھی میں پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ نہ وہ ہماری حالت کے مناسب ہیں اور نہ سینکڑوں برس تک ہماری عورتوں کو ان کی ضرورت ہے۔ بغیر معنی سمجھائے قرآن مجید پڑھانا جس کو ایک حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ میری دانست میں کوئی ذریعہ اس سے زیادہ روحانی تربیت، روحانی نیکی اور توجہ ذاتِ باری کے لئے نہیں ہو سکتا۔"[4]

ان کی تعلیم میں وہ علوم داخل نہ تھے جن کو اس زمانہ میں یورپ کی تقلید سے لڑکیوں کی تعلیم میں لوگ داخل کرنا چاہتے ہیں۔ یورپ کی اور امریکہ کی حالت معاشرت کے خیال سے شاید وہ علوم لڑکیوں کو سکھانے ضروری ہوں کیونکہ ممکن ہے کہ وہاں عورتیں پوسٹ ماسٹرز اور ٹیلی گراف ماسٹرز یا پارلیمنٹ کی ممبر ہو سکیں۔ لیکن ہندوستان میں نہ وہ زمانہ ہے نہ سینکڑوں برس بعد بھی آنے والا ہے پس جو علوم کہ اس زمانہ میں عورتوں کے لئے مفید تھے وہی اس زمانہ میں بھی مفید ہیں۔ اور وہ علوم صرف دینیات اور اخلاق کے لئے تھے اس زمانے کی لڑکیاں قرآن شریف پڑھتی تھیں، اس کا ترجمہ پڑھتی تھیں۔ نماز روزہ کے مسائل کی کتابیں پڑھتی تھیں جس نے زیادہ تعلیم میں ترقی کی اور فارسی سیکھ لی۔ اس کو قصص انبیاء اور حکایتِ اولیا اور اسی قسم کی اخلاق کی کتابیں اور بعض حکایات مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی پڑھائی جاتی تھیں۔ جس زمانہ میں مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ اردو میں نہ ہوا تھا اور لڑکیوں نے حدیث پڑھنے کا شوق کیا تھا۔ ان کو شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف پڑھایا جاتا تھا۔

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز سرسید مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور ۱۹۰۰ء ص ۳۸۱ [2] ایضاً ص ۲۵۰ [3] ایضاً ص ۲۵۱ [4] ایضاً ص ۳۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اخیر زمانہ میں اردو ترجمہ مشکوٰۃ کا اور اردو ترجمہ حصن حصین کا۔ یعنی ظفر جلیل زیادہ تر درس میں داخل تھا بعض لڑکیوں نے ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ یعنی فوائد الفوائد اپنے شوق سے پڑھے تھے۔ صرف ایک عورت سے میں واقف ہوں جس نے توزک جہاں گیری اپنے باپ سے پڑھی تھی۔ مگر اس کی ہمجولیاں اس کو کہتی تھیں کہ بُوا، اس سے کیا فائدہ ہے کوئی خدا اور رسولؐ کی کتاب پڑھو۔ یہی عمدہ طریقہ تعلیم کا تھا۔ جس سے لڑکیوں کے دل میں نیکی اور خدا ترسی، رحم اور محبت اور اخلاق پیدا ہوتا تھا۔ اور یہی تعلیم ان کے دین اور دنیا، دونوں کی بھلائی کے لئے کافی تھی اور اب بھی یہی تعلیم کافی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ عورتوں کو افریقہ اور امریکہ کا جغرافیہ سکھانے اور الجبرا اور ٹرگنامیٹری کے قواعد بتانے اور احمد شاہ اور محمد شاہ، مرہٹوں اور روہیلوں کی لڑائیوں کے قصے پڑھانے سے کیا نتیجہ ہے؟"[1]

تعلیم نسواں کے مدرسے قائم کرنے کرنے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے سرسید کہتے ہیں۔

"جو جدید انتظام عورتوں کی تعلیم کا اس زمانہ میں کیا جاتا ہے خواہ وہ انتظام گورنمنٹ کا ہو اور خواہ اسی طرز کا انتظام کوئی مسلمان یا کوئی انجمن اسلامی اختیار کرے۔ اس کو میں پسند نہیں کر سکتا۔ عورتوں کی تعلیم کے لئے مدرسوں کا قائم کرنا اور یورپ کے زنانہ مدرسوں کی تقلید کرنا ہندوستان کی موجودہ حالت کے کسی طرح مناسب نہیں ہے اور میں اس کا سخت مخالف ہوں۔"[2]

اپنی اسی مخالفت کے جواز میں وہ مختلف قوموں اور خاندانوں کی لڑکیوں کی باہم صحبت کے باعث پیدا ہونے والے خدشات کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے:۔

"لڑکیوں کی تعلیم کے لئے تمام سکول کے بنانے کو جہاں کہ عام لڑکیاں بلالحاظ اس کے کہ کس قوم و خاندان کی ہیں۔ چادر یا برقع اوڑھ کر یا ڈولی میں بٹھا کر بھیجی جائیں۔ میں پسند نہیں کرتا۔ معلوم نہیں کہ کیسی عورتوں سے صحبت ہوگی، معلوم نہیں کہ کیسی لڑکیاں جمع ہوں گی۔ معلوم نہیں کہ ان کا طرز کیسا ہے؟ گفتگو کیسی ہے؟ مگر میں نہایت زور سے کہتا ہوں کہ اشراف لوگ جمع ہو کر اپنی لڑکیوں کی تعلیم کا ایسا انتظام کریں جو نظیر ہو۔ پچھلی تعلیم کی جو کسی زمانے میں ہوتی تھی۔ کوئی شریف خاندان کا شخص یہ نہیں خیال کر سکتا کہ وہ اپنی بیٹی کو ایسی تعلیم دے کہ ٹیلی گراف آفس میں سگنلر ہونے کا کام دے یا پوسٹ آفس میں چٹھیوں پر مُہر لگایا کرے۔"[3]

پچھلی تعلیم کی نظیر میں اس زمانے کے زنانہ مکتبوں کی کیفیت اور اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے سرسید کہتے ہیں

"........ بہتر ہوگا کہ میں اس طریقہ کو بیان کروں جو خود ہمارے خاندان میں جاری تھا اور جس سے میں بخوبی

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز، ص ۳۸۱ [2] خطبات سرسید جلد دوم مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۳، ص ۲۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقف ہوں اور بہت کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں نے اپنے خاندان کی تین قسم کی عورتوں کو دیکھا ہے۔ ایک وہ جو کہ ہماری ماں اور خالاؤں کی ساتھی تھیں۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ سب پڑھنا جانتی تھیں۔ اور چند ان میں ایسی تھی جو فارسی کتابیں بھی پڑھ سکتی تھیں میں نے خود گلستان کے چند سبق اپنی والدہ سے پڑھے ہیں اور اکثر ابتدائی فارسی کی کتابوں کے سبق ان کو سنائے ہیں۔

دوسرا گروہ میری ہم عمر بہنوں کا تھا جو گھروں میں تعلیم پاتی تھیں ان کی تعلیم کا طریقہ میں نے یہ دیکھا کہ رشتہ داران قریب میں سے کوئی معزز اور آسودہ گھر لڑکیوں کی تعلیم کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ اور خاندان کی لڑکیاں اس گھر میں پڑھنے کے لئے جمع ہوتی تھیں۔ اور اس گھر کی بزرگ عورت جوان لڑکیوں میں سے کسی کی خالہ اور کسی کی نانی اور کسی کی خالہ اور کسی کی ممانی اور کسی کی پھوپھی ہوتی تھیں۔ ان سب لڑکیوں کی نگران ہوتی تھی ان کی تربیت کے لئے متعدد استانیاں نوکر ہوتی تھیں۔ اور خود اس گھر کی مالکہ اور بڑی عمر کی عورتیں جو پڑھی ہوئی ہوتی تھیں، مع ان استانیوں کے ان لڑکیوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ اس مکان کا ایک ٹکڑا جو ہمیشہ ضلع کی عمارتوں میں ایک دالان ہوتا تھا۔ بطور مکتب کے تجویز کیا جاتا تھا۔ اس میں تخت بچھے ہوئے ہوتے تھے۔ اور ان پر نہایت صاف فرش ہوتا تھا۔ اور سب لڑکیاں وہاں بیٹھ کر پڑھتی تھیں۔ اور استانی پڑھاتی تھی۔ اس گھر کی بزرگ عورتیں وقتاً فوقتاً اس دالان میں جاکر ان لڑکیوں کی اور ان کے پڑھنے کے حالات کی نگرانی کرتی تھیں کبھی کبھی کوئی رشتہ دار مرد، ان لڑکیوں کا بھائی یا باپ، نانا، خالو، آن کر ان لڑکیوں کا سبق سنتا تھا۔ اور کبھی کسی لڑکی کو خود پڑھاتا تھا اس وقت تک ان عورتوں میں سے ایسی عورتیں بھی زندہ موجود ہیں جو عربی زبان سے بھی کسی قدر واقف ہیں اور مشکوٰۃ شریف اور حصن حصین اور متعدد چہل حدیث کتابوں کو نہایت خوبی سے پڑھا سکتی ہیں۔

تیسری قسم کی وہ لڑکیاں ہیں جو میرے سامنے بچہ تھیں اور اب بڑی ہو گئی ہیں۔ ان کی بھی تربیت اسی طرح پر میری آنکھوں کے سامنے ہوئی ہے۔ میری حقیقی بہن کا گھر اس کام کے لئے خاص کیا گیا تھا۔ اور ایک گروہ رشتہ دار لڑکیوں کا اسی طرح پر ایک دالان میں پڑھا کرتا تھا۔ اور میری بہن کے شوہر جو نہایت بزرگ تھے ان لڑکیوں کی تعلیم میں زیادہ کوشش کرتے تھے۔

پہلے زمانہ میں عورتوں کو لکھنے کا کچھ خیال نہ تھا۔ مگر اس تیسرے گروہ کی لڑکیوں میں سے کسی کسی کو لکھنے کا بھی شوق ہوا۔ میرے نانا کے حقیقی بھائی ہر روز یا ایک دن بیچ کر کے مکتب میں آتے تھے۔ اور فارسی خط جو لڑکی لکھنا سیکھتی تھی اس کو اصلاح دیتے تھے۔ عربی خط جو لڑکیاں لکھتی تھیں۔ ان کو میرے حقیقی بہنوئی اصلاح دیتے تھے۔ صبح سے کھانے کے وقت تک پڑھنے کا وقت تھا۔ کھانے کے وقت پر سب لڑکیاں اس گھر کی مالکہ کے ساتھ کھانا کھاتی تھیں کھانے کے بعد ظہر کے وقت تک سینے پرونے یا اور کسی قسم کے خانہ داری کے کاموں کے سیکھنے میں گذرتا تھا۔ ظہر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت سب لڑکیاں نماز پڑھتی تھیں اور عصر کے وقت تک پھر اپنے پڑھنے میں مصروف رہتی تھیں عصر کے بعد ڈولیوں میں سوار ہوئیں اور پھر اپنے اپنے گھر چلی گئیں۔

جمعہ کا دن نہایت دلچسپ ہوتا تھا۔ سب لڑکیاں بدستور صبح سے آتی تھیں اور سب مل کر چھوٹی چھوٹی پتیلیوں میں مختلف قسم کے کھانے پکاتی تھیں جو ہماری طرف کی زبان میں ہنڈ کلیہ کہلاتی ہے۔ ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی میزبان بنتی تھی اور سب لڑکیوں کو انہی کا پکایا ہوا کھانا کھلاتی تھی۔ کبھی کبھی ہم عمر بھائیوں کو بھی وہ لڑکیاں بلاتی تھیں اور کھلاتی تھیں۔ غرض کہ اسی طرح یہ ان کو وہ چیزیں، جو عورتوں کے لئے ضروری ہیں پڑھائی جاتی تھیں اور خاندان کا طریقہ اور سلیقہ سکھایا جاتا تھا۔"[1]

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تعلیم نسواں میں سرسید کے خیالات کی بنیاد میں دراصل ان کا پردہ نسواں کے متعلق نظریہ بھی کارفرما ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں:-

"ہمارے بعض عزیز جن کو ہم طحاک بھی کہہ ہیں اور بعض ہمارے مخدوم جن کو ہم فخر قوم کہہ سکتے ہیں، پردہ کے مخالف ہیں۔ مگر ہم کو گو لوگ نئے فیشن کا سمجھیں مگر ہم تو اسی پرانے دقیانوسی اگر فیشن کے نہیں ہیں تو دقیانوسی مزاج کے تو ضرور ہیں۔ اور اس لئے ہم اپنے مخدوموں کی رائے کے مخالف ہیں اور عورتوں کا پردہ جو مسلمانوں میں رائج ہے اس کو نہایت عمدہ سمجھتے ہیں۔"[2]

ایک اور موقع پر آپ اپنے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:-

"میں پردے کی رسم کا متعدد وجوہ سے نہایت طرفدار ہوں اور بالتخصیص ہندوستان میں"[3]

آپ اس اصول پردہ سختی سے کاربند تھے ان کے دستِ راست نواب محسن الملک بیان کرتے ہیں:

"سرسید احمد خان تو جاہل سے جاہل اور کٹر سے کٹر مسلمان سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر تھے۔ ججوں، کلکٹروں کی بیویوں نے ان کی بہو یعنی محمود بیگم سے ملنا چاہا لیکن انہوں نے اس کو بھی جائز نہ رکھا"[4]

نواب محسن الملک نے اس بات کو ایک اور موقع پر یوں بیان کیا:

"میں نے تو ان کا یہ حال دیکھا کہ مدت العمر کبھی وہ اس بات کے بھی روادار نہ ہوئے کہ ان کی بہو محمود بیگم کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر انگریز کی میم صاحبہ سے بھی مل سکیں۔ خواہ وہ ان کے دوستوں کی خاتونیں ہوں یا سید محمود کی۔ یہی ایک بات نہیں بلکہ ان کا تعصب تو اس مسئلہ میں یہاں تک بڑھا

۱۔ مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز سرسید ص ۳۰۳ تا ۳۰۴ ۲۔ آخری مضامین مطبوعہ رفاہ عام پریس لاہور ۱۸۹۸ء ص ۱ ۳۔ ماہنامہ مہذب لکھنؤ یکم ستمبر ۱۸۹۰ء ص ۲ ۴۔ مجموعہ لکچرز و اسپیچز نواب محسن الملک مطبوعہ نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس پریس لاہور طبع اول ص ۹۵م

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا تھا کہ وہ تعلیم نسواں بھی اسی دائرہ کے اندر اندر رکھنا چاہتے تھے جیسا کہ اگلے پرانے شرفا کے خاندانوں کا دستور تھا۔ وہ اس جدید طریقے کی تعلیم کو جس کا چرچا ہو رہا ہے قوم کے حق میں نہایت مضر خیال کرتے تھے۔" [۱]

سرسید صرف مسلمان عورتوں کی جدید تعلیم کے ہی مخالف نہیں بلکہ وہ ہندوستان کی بعض غیر مسلم عورتوں کے انگریزی بولنے، پڑھنے پر بھی معترض دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے سفر لندن کی ابتدا میں جب وہ بمبئی پہنچے اور وہاں کے پارسیوں کی ترقی کا عالم دیکھا تو اپنے تاثرات کو ان الفاظ میں قلم بند کیا:-

"....میں نے سنا ہے کہ بعض پارسی اپنی لڑکیوں کو انگریزی بھی پڑھاتے ہیں۔ کوئی اسکول ہے وہاں اٹھارہ اٹھارہ بیس بیس برس کی عمر کی لڑکیاں انگریزی پڑھنے کو جمع ہوتی ہیں۔ اور بخوبی پڑھ گئی ہیں انگریزی بولتی ہیں اور چٹھی لکھتی ہیں۔ مگر میں نہیں سمجھا کہ اپنی زبان چھوڑ کر پارسیوں کو لڑکیوں کے انگریزی پڑھانے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔" [۲]

سرسید لڑکوں کی تعلیم کو ہی لڑکیوں کی تعلیم کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ ۱۸۸۲ء میں انہوں نے لیجسلیٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے ایجوکیشن میں شہادت دی تھی اس سوال کے جواب میں کہ گورنمنٹ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں کہاں کوشش کر سکتی ہے اور اس میں کامیابی کی کیا توقع ہے، انہوں نے کہا

"......عورتوں کی تعلیم کا معاملہ اس فلاسفر کے سوال سے نہایت مشابہ ہے جس نے پوچھا تھا کہ پہلے مرغی پیدا ہوئی یا انڈا؟ جن شخصوں کی یہ رائے ہے کہ مردوں کی تعلیم سے پہلے عورتوں کی تعلیم ہونی چاہئے وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کی پوری تعلیم اس وقت تک نہ ہو گی جب تک کہ اس قوم کے اکثر مرد پورے تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں گے۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کی سوشل حالت پر غور کیا جائے۔ تو اس وقت تک جو حالت مسلمان عورتوں کی ہے وہ میری رائے میں خانگی خوشی کے واسطے کافی ہے۔ جو کچھ بالفعل گورنمنٹ کو کرنا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے بندوبست کی جانب کافی توجہ کرے۔ جب کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل بخوبی تعلیم و تربیت یافتہ ہو جائے گی تو مسلمان عورتوں کی تعلیم پر اس کا ضرور بالضرور ایک زبردست گو خفیہ اثر پہنچے گا۔ تعلیم یافتہ باپ یا بھائی یا شوہر بالطبع اپنی رشتہ مند عورتوں کی تعلیم کے خواہشمند ہوں گے۔ اگر گورنمنٹ

---

[۱] مجموعہ لکچرز و اسپیچز۔ نواب محسن الملک مطبوعہ نولکشور گیس پرنٹنگ ورکس پریس لاہور ص ۵۱۳

[۲] مسافران لندن مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۱ء ص ۵۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان شریف خاندانوں میں تعلیم نسواں کے جاری کرنے کی کوشش کرے گی تو حالات موجودہ میں محض ناکامی حاصل ہوگی اور میری رائے ناقص میں اس سے مضر نتیجے پیدا ہوں گے اور روپیہ اور محنت ضائع جائیگی"[1]

انہوں نے اپنی تقریر میں اپنی اس رائے کی حمایت میں یہ جواز پیش کیا۔

"اس وقت ہم تمام یورپ کی اور تعلیم یافتہ ممالک کی ہسٹری دیکھتے ہیں اور پاتے ہیں کہ جب مرد لائق ہوجاتے ہیں۔ عورتیں بھی لائق ہوجاتی ہیں۔ جب تک مرد لائق نہ ہوں عورتیں بھی لائق نہیں ہوسکتیں یہی سبب ہے کہ ہم کچھ عورتوں کی تعلیم کا کچھ خیال نہیں کرتے ہیں"[2]

سید ممتاز علی کے نام ایک خط میں سرسید اسی موضوع پر خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میری دلی آرزو ہے کہ عورات کو بھی نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جائے۔ مگر موجودہ حالت میں کنواری عورتوں کو تعلیم دینا ان پر سخت ظلم کرنا اور ان کی تمام زندگی کو رنج و مصیبت میں مبتلا کر دینا ہے"[3]

"...... عورات کی تعلیم قبل مہذب ہونے مردوں کے نہایت ناموزوں اور عورتوں کے لئے آفت بے درماں ہے۔ یہ ہی باعث ہے کہ میں نے آج تک عورات کی تعلیم میں کچھ نہیں کیا .... پس بالفعل عورتوں کو ایسا رکھنا چاہیئے کہ اگر ان کے شوہر مہذب ہوں تو ان کو مہذب کرسکیں اور اگر نامہذب ہوں تو ان کی بیویاں بھی ویسی ہی ہوں"[4]

غرض کہ تعلیم نسواں کے بارے میں سرسید کے خیالات کا لبّ لباب ان کے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے:۔

"عورتوں کی تعلیم نیک اخلاق، نیک خصلت، خانہ داری کے امور، بزرگوں کا ادب، خاوند کی محبت، بچوں کی پرورش، مذہبی عقائد کا جاننا ہونی چاہیئے۔ اس کا میں حامی ہوں، اس کے سوا اور کسی تعلیم سے بے زار ہوں"[5]

---

[1] حیاتِ جاوید مؤلفہ الطاف حسین حالی مطبوعہ نامی پریس کانپور ۱۹۰۱ء حصہ اول ص ۲۵۲، ۲۵۳

[2] مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز سرسید ص ۴۷۵

[3] مکتوبات سرسید مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۹ء ص ۳۸۰

[4] ایضاً ص ۳۸۱ (مکتوبات سرسید)

[5] خطبات سرسید جلد دوم ص ۲۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

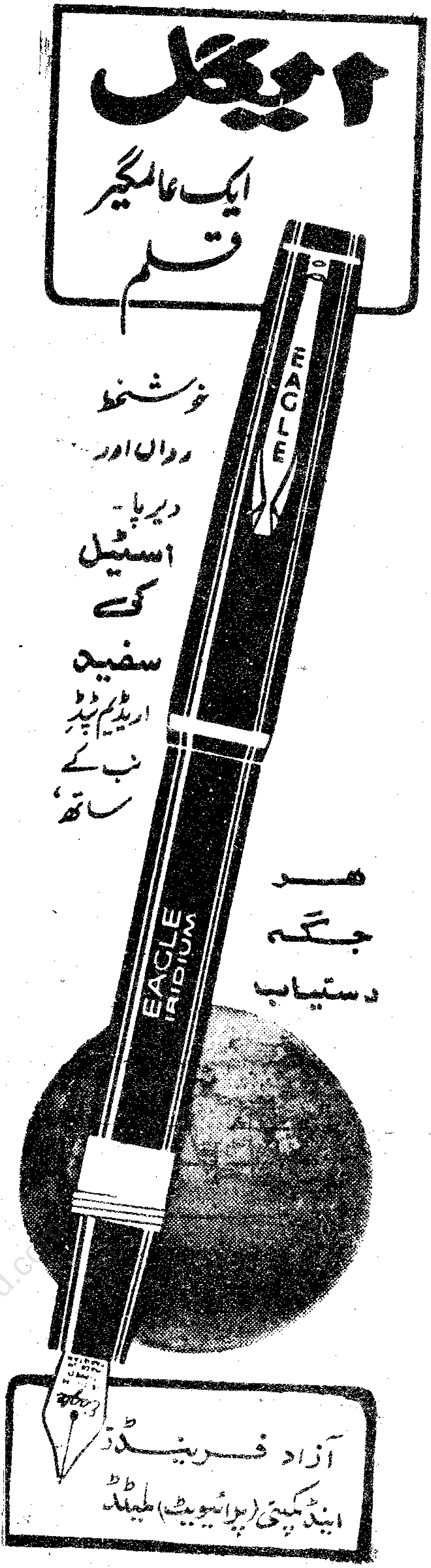

وضو قائم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے۔

سروس انڈسٹریز

پائیدار۔ دلکش۔ موزوں اور واجبی نرخ پر جوتے بناتی ہے

Servis

سروس شوز

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

© rasailojaraid.com